



اس باب میں ...

آزاد ہندوستان کے ابتدائی سال چیلنج اور مشکلات سے پُر تھے۔ ان میں سے کچھ مشکل ترین اور فوری توجہ کے محتاج مسائل کا تعلق قومی یک جہتی اور ہندوستان کی علاقائی سالمیت سے تھا۔ ہم آزادی کے بعد کی ہندوستانی سیاست کی کہانی میں قومی تعمیر کے ان چیلنجوں میں سے تین پر نظر ڈال کر شروع کریں گے اور دیکھیں گے کہ 1947 کے بعد کی پہلی دہائی میں کس طرح ان کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا گیا۔

• آزادی ملک کی تقسیم کے ساتھ آئی، جس کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر تشدد اور خانماں بربادی ہوئی اور سیکولر ہندوستان کے تصور ہی کو لاکا گیا۔

• راجاؤں اور نوابوں کی ریاستوں کے ہندوستانی یونین میں انضمام کے فوری حل کی ضرورت تھی۔

• ملک کی اندرونی سرحدوں کو از سر نو متعین کرنے کی ضرورت تھی تاکہ مختلف زبانیں بولنے والے لوگوں کی آرزوؤں کو پورا کیا جاسکے۔

اگلے دو ابواب میں ہم دوسرے قسم کے چیلنجوں پر توجہ مبذول کریں گے جو اس ابتدائی مرحلے میں ملک کو درپیش تھے۔

1947 میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے کولکاتا میں فرقہ وارانہ تشدد کے خاتمہ کا اعلان ہند و پاک کے جھنڈے ایک ساتھ لہرا کر اور ٹرکوں پر سوار ہو کر شہر میں گشت لگا کر کیا۔

اس نایاب فوٹو گراف میں آزادی حاصل ہونے کی خوشی اور ہندوستان اور پاکستان کی تقسیم کے المیہ کو پیش کیا گیا ہے۔



نمبر



قومی تعمیر کے چیلنج

نئی قوم کے لیے چیلنج

14 اور 15 اگست 1947 کی درمیانی شب میں ہندوستان کو آزادی حاصل ہوئی۔ اس رات آزاد ہندوستان کے پہلے وزیراعظم جواہر لعل نہرو نے دستور ساز اسمبلی کے ایک خاص اجلاس سے خطاب کیا۔ یہ مشہور ”مقرر سے ملاقات“ والی تقریر تھی جس سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔ ہندوستانی اسی لمحہ کا انتظار کر رہے تھے۔ آپ نے اپنی تاریخ کی درسی کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ ہماری قومی تحریک میں کئی نقطہ نظر کا فرما تھے۔ لیکن دو مقاصد پر سب متفق تھے، پہلا تو یہ کہ آزادی کے بعد اپنی حکومت کو جمہوری طرز پر چلائیں گے، دوسرے یہ کہ حکومت سب کے بھلے کے لیے کام کرے گی، خاص طور پر غریبوں اور سماجی اعتبار سے کچھڑے ہوئے لوگوں کے لیے۔ اب جب کہ ہندوستان آزاد ہو گیا تھا، وعدوں کے نبھانے کا وقت آ گیا تھا۔

لیکن یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ ہندوستان نے بہت مشکل حالات میں جنم لیا تھا۔ شاید ہی کسی اور ملک کا اتنے مشکل حالات میں ظہور ہوا ہوگا جتنا کہ 1947 میں ہندوستان کا ہوا۔ آزادی کے ساتھ ملک بھی تقسیم ہوا۔ خانماں بربادی کی اذیت اور تشدد کے لحاظ سے 1947 سے پہلے کوئی سال ایسا نہیں گزرا تھا۔ یہ حالات تھے جب آزاد ہندوستان نے کئی مقاصد کے حصول کے لیے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ آزادی کے ساتھ آنے والے بحران کے باوجود ہمارے رہنماؤں کی نظروں نے ان چیلنجوں کو فراموش نہیں کیا جو ایک نئی قوم کو پیش آرہے تھے۔

تقریر : پی آئی بی



15 اگست 1947 کو وزیراعظم جواہر لعل نہرو لال قلعہ سے تقریر کرتے ہوئے۔

[illegible]

ہندوستان نامگز، 19 جولائی 1947

تین چیلنج

موٹے طور پر آزاد ہندوستان کو تین طرح کے چیلنجوں کا سامنا تھا۔ سب سے پہلا چیلنج تو ایک ایسی قوم کی تشکیل تھی جو متحد بھی ہو اور سماج کے تنوع اور رنگارنگی کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہو۔ ہندوستان اپنے رقبہ اور تنوع کے اعتبار سے ایک بڑا عظیم جیسا تھا۔ اس کے عوام کئی زبانیں بولتے تھے اور الگ الگ مذہب اور ثقافت کو اختیار کیے ہوئے تھے۔ اس وقت عام طور سے یہی خیال کیا جاتا تھا کہ اتنے اختلافات رکھنے والا ملک زیادہ عرصے تک متحد نہیں رہ سکتا۔ ملک کی تقسیم نے بظاہر بدترین اندیشوں کو صحیح ثابت کر دیا تھا اور ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں کئی سنجیدہ سوال اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ کیا ہندوستان ایک متحد ملک کی صورت میں قائم رہ سکے گا؟ اور کیا قومی اتحاد کی خاطر وہ دیگر مقاصد کو پس پشت ڈال دے گا؟ کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بقیہ تمام علاقائی اور ذیلی قومی شناختوں کو نظر انداز کر دیا جائے گا؟ لیکن ایک بہت ہی فوری سوال بھی سامنے تھا اور وہ یہ کہ ہندوستان کی زمین یا ملک کی آراضی کو کس طرح یک جہت کر کے ایک اکائی بنایا جائے۔

دوسرا چیئنج جمہوریت کا قیام تھا۔ آپ پہلے ہی ہندوستانی دستور کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ دستور نے بنیادی حقوق دیے اور ہر شہری کو ووٹ دینے کا حق دیا۔ ہندوستان نے پارلیمانی طرز حکومت

کل ہم برطانوی تسلط کی غلامی سے
آزاد ہوں گے۔ لیکن نصف شب کو
ہندوستان تقسیم بھی ہو جائے گا۔ کل
ایک خوشی کا دن بھی ہو گا اور ماتم
کا بھی

مہاتما گاندھی

14 اگست 1947، کولکاتا

پر مبنی نمائندہ جمہوریت کو اختیار کیا ہے۔ ان خصوصیات کی بنیاد پر یہ بات طے ہوگئی کہ سیاسی مسابقت اور داؤ پٹج ایک جمہوری ڈھانچے میں ہی محدود رہیں گے۔ جمہوریت کو قائم کرنے کے لیے ایک جمہوری دستور لازمی ہے لیکن کافی نہیں ہے۔ چیلنج یہ تھا کہ جمہوری روایات کو دستور کے مطابق فروغ دیا جائے۔



میرے دل میں ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ ایک ٹائم مشین مل جائے تو میں تھوڑا پیچھے لوٹوں اور 15 اگست، 1947 کے جشن میں شرکت کروں۔ لیکن یہاں تو معاملہ کچھ الگ ہی نظر آ رہا ہے۔

تیسرا چیلنج پورے سماج کی ترقی اور فلاح کی یقین دہانی تھا جو چند حصوں یا طبقات کے لیے مخصوص نہ ہو۔ اس مقام پر بھی دستور نے سماجی لحاظ سے کچھڑے ہوئے لوگوں اور مختلف مذاہب اور تمدنی برادریوں کے لیے مساوات اور خصوصی تحفظ کے اصول پیش کیے۔ اس کے علاوہ دستور نے ریاست کی پالیسی کے رہنما اصول بھی مرتب کیے جو ایک سیاسی جمہوریت میں حاصل ہونے کے لیے ضروری ہیں۔ اب اصل چیلنج یہ تھا کہ اقتصادی ترقی اور غربت کے خاتمے کے لیے مؤثر پالیسیاں بنائی جائیں۔

اس باب میں زیادہ تر توجہ پہلے چیلنج کو دی جائے گی یعنی قومی تعمیر جس نے آزادی کے بعد کے عرصے میں مرکزی مقام لے رکھا تھا۔ ہم آزادی کے حوالے سے رونما ہونے والے کچھ واقعات پر نظر ڈالنے سے ابتدا کرتے ہیں۔ اس سے ہمیں یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ آزادی کے وقت قومی اتحاد اور سلامتی کا مسئلہ سرفہرست کیسے آگیا۔ اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ ہندوستان نے خود کو ایک قوم کی صورت میں کیسے ڈھالا جو ایک مشترک تاریخ اور مقدر کے حوالہ سے متحد تھی۔ اس اتحاد اور یک جہتی کا اظہار مختلف علاقوں میں بسنے والے لوگوں کی امنگوں میں ہونا چاہیے تھا اور اس اتحاد کو ان اختلافات اور تنوع سے بھی نمٹنا تھا جو الگ الگ علاقوں اور طبقات میں موجود تھے۔ اگلے دو باب میں ہم جمہوریت کے قیام، اقتصادی ترقی، مساوات اور انصاف کے حصول پر بحث کریں گے۔



اوپر دیے گئے تینوں ڈاک ٹکٹ 26 جنوری 1950 کو پہلے یوم جمہوریہ کے جشن پر جاری کیے گئے تھے۔ ان پر بنی ہوئی تصویریں نئے ملک کے چیلنج کے بارے میں آپ سے کیا کہہ رہی ہیں؟ اگر 1950 میں آپ سے ان ڈاک ٹکٹوں کو ڈیزائن کرنے کے لیے کہا گیا ہوتا تو آپ کس تصویر کا انتخاب کرتے؟

FUTURE CORRESPONDENCE ABOUT
MAARIF-UL-QURAN
please be made at the following
address:—
blisher, MAARIF-UL-QURAN,
Co Mr. PARVEZ
HOME DEPARTMENT
GOVERNMENT OF PAKISTAN
KARACHI

Dawn

Founded By QAEED-E-AZAM MOHAMMAD ALI JINNAH
Edited by ALTAH HUSAIN

DELHI: THURSDAY, AUGUST 14, 1947

WHILE IN KARACHI...
VISIT
MANCHESTER HOUSE
TAILORS
The Authority on Style & Clothes
(Sherwani Specialists)
Phone: 7331
ELPHINSTONE STREET
KARACHI

AED-E-AZAM'S TRIBUTE

Absolute Transfer Of Power Unknown In World History

PAKISTAN TO MAINTAIN FRIENDSHIP WITH BRITAIN AND INDIA

JINNAH'S SP... TO LORD &...

DINNER ATTEN



1947 اگست 14، دُان، کراچی

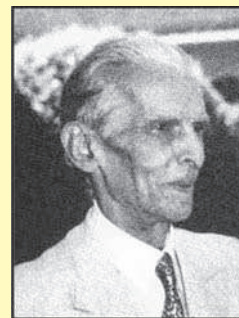
صبح آزادی

فیض احمد فیض

یہ داغ داغ اجالا، یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا، یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل
کہیں تو ہوگا شبِ سست موج کا ساحل
کہیں تو جا کے رکے گا سفینہ غم دل

فیض احمد فیض (1911-1984) سیال کوٹ میں پیدا ہوئے
اور تقسیم کے بعد پاکستان میں رہے۔ ان کا سیاسی رجحان
بائیں بازو کی طرف تھا۔ انہوں نے پاکستانی حکومت کی
مخالفت کی اور جیل میں ڈال دیے گئے۔ ان کے شعری
مجموعوں میں نقش فریادی، دستِ صبا اور زندانِ نامہ شامل
ہیں۔ فیض کا شمار بیسویں صدی کے جنوبی ایشیا کے عظیم
شاعروں میں ہوتا ہے۔

ہم کو اسی جذبہ کے ساتھ کام کرنا چاہیے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ اکثریت اور اقلیت یعنی ہندو فرقہ اور مسلم فرقہ
کے آپس کے اندیشے ختم ہو جائیں گے کیوں کہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی آپ بھان، پنجابی، شیعہ اور سنی میں
بننے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں میں برہمن، ویش، کھتری بلکہ بنگالی اور مدراسی کی تقسیم ہے۔ آپ مملکت
پاکستان میں اپنے مندروں، مسجدوں اور عبادت گاہوں میں جانے کے لیے آزاد ہیں۔ ریاست کے معاملات کو
اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ آپ کس مذہب، ذات اور فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔



محمد علی جناح کراچی میں پاکستان کی دستور ساز مجلس سے صدارتی خطاب کرتے ہوئے، 11 اگست 1947



دی نائن آف انڈیا، 15 اگست 1947



آج میں وارث شاہ کو آواز دیتی ہوں

امریتا پریتم

آج میں وارث شاہ کو آواز دیتی ہوں، ”اپنی قبر سے آواز دو“

اور آج محبت کی کتاب کا اگلا صفحہ پلٹو

ایک بار پنجاب کی ایک بیٹی کی پکار پر تم نے آنسو بھرا زمیں لکھا تھا

آج پنجاب کی لاکھوں بیٹیاں تمہیں پکار رہی ہیں، وارث شاہ

اے دکھوں کے بیان کرنے والے اٹھو! اٹھو اور اپنے پنجاب کو دیکھو

آج کھیتوں میں لاشیں بکھری ہیں اور چناب میں خون بہہ رہا ہے

کسی نے ان پانچ دریاؤں کے پانی میں زہر گھول دیا ہے

اور اب یہی پانی ہماری زمین کے پیشتر حصہ کو پہنچ رہا ہے۔

اس زرخیز زمین کا ہر پودا زہر کے کوئیل نکال رہا ہے

بہتے ہوئے خون کی پکار سن کر آسمان بھی سرخ ہو گیا ہے

جنگل کی سرمست ہواؤں کے اندر سے اک چیخ سنائی دیتی ہے

ہر بانسری کی تان سے سانپ کی پھسکار سنائی دیتی ہے....

پنجابی نظم ’آج اکھاں وارث شاہ نوں‘ کے ایک حصہ کا ترجمہ

امریتا پریتم (1919-2005):

ایک ممتاز پنجابی شاعرہ اور ناول نگار تھیں۔

ساتھیہ اکیڈمی ایوارڈ، پدم شری اور گیان پیٹھ ایوارڈ

سے نوازی گئیں۔ تقسیم کے بعد انھوں نے دہلی کو

اپنا دوسرا گھر بنا لیا۔

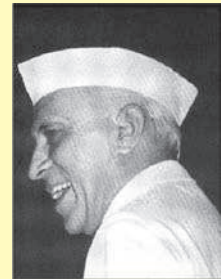
وہ اپنی عمر کے آخری دنوں تک پنجابی رسالہ

’ناگ منی‘ میں لکھتی اور اس کی ادارت کرتی

رہیں۔

ہمارے یہاں ایک مسلم اقلیت ہے جو اپنی تعداد کے لحاظ سے اتنی بڑی ہے کہ اپنے چاہنے کے باوجود بھی یہ لوگ کہیں اور نہیں جاسکتے۔ یہ ایک بنیادی حقیقت ہے جس پر بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ جو سلوک پاکستان میں غیر مسلمانوں کے ساتھ ہوا اور جس خوف اور بدسلوکی کا سامنا کیا اس سے قطع نظر ہمیں اپنی اس اقلیت سے مہذب سلوک روا رکھنا ہے۔ ہمیں ان کو تحفظ فراہم کرنا ہے اور ایک جمہوری ریاست کے شہری کی حیثیت سے ان کے حقوق دینے ہیں۔ اگر ہم ایسا کرنے میں ناکام رہے تو یہ خون ایسا رستا ہوا ناسور بن جائے گا جو رفتہ رفتہ سیاست کے جسم کو زہر آلود کر دے گا بلکہ شاید اسے ختم ہی کر دے۔

جواہر لعل نہرو، وزیر اعلیٰ کے نام ایک خط، 15 اکتوبر 1947



تقسیم: خانماں بربادی اور باز آباد کاری

14 اور 15 اگست 1947 کو ایک نہیں بلکہ دو قومی ریاستیں، ہندوستان اور پاکستان وجود میں آئیں۔ یہ تقسیم کا نتیجہ تھا، برطانوی ہندوستان کی ہندوستان اور پاکستان میں تقسیم۔ وہ سیاسی حالات اور تغیر و تبدل جن کے بارے میں آپ نے اپنی تاریخ کی درسی کتابوں میں پڑھا ہے اس وقت نقطہ عروج پر پہنچ گئے جب دونوں ملکوں کی سرحدوں کی لکیریں کھینچ دی گئیں۔ مسلم لیگ نے جس ”دو قومی نظریہ“ کو بڑھاوا دیا اس کے مطابق ہندوستان میں ایک قوم نہیں بلکہ دو قومیں بستی ہیں، ہندو اور مسلم۔ اس لیے اس نے مسلمانوں کے لیے ایک الگ ملک، پاکستان کا مطالبہ کیا۔ کانگریس نے اس نظریہ اور پاکستان کے مطالبے کی مخالفت کی۔ لیکن 1940 میں واقع ہونے والے کچھ سیاسی واقعات، کانگریس اور مسلم لیگ کی سیاسی زور آزمائی اور اس کے ساتھ ساتھ برطانوی کردار نے ایسے حالات پیدا کر دیئے جس نے پاکستان کی تخلیق کا فیصلہ کر دیا۔

تقسیم کا عمل

یہ طے کر لیا گیا کہ جسے اب تک ہندوستان، کے نام سے جانا جاتا تھا دو ملکوں۔ ہندوستان اور پاکستان میں بانٹ دیا جائے گا۔ نہ صرف یہ کہ اس قسم کا بٹوارہ تکلیف دہ تھا بلکہ اس کا فیصلہ اور نفاذ بھی مشکل تھا۔ اس تقسیم میں مذہبی اکثریت کو بنیاد بنایا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مسلم اکثریت سے پاکستان کی تشکیل ہوگی۔ باقی ملک ہندوستان رہے گا۔

بظاہر یہ خیال بڑا آسان لگتا تھا لیکن اس میں کئی طرح کی مشکلیں تھیں۔ سب سے پہلے تو یہ کہ برطانوی ہندوستان میں کوئی ایسی اکیلی پٹی نہیں تھی جہاں مسلمان اکثریت میں ہوں۔ مشرق اور مغرب کے علاقے میں مسلمانوں کا ارتکاز تھا۔ ایسا کوئی طریقہ نہیں تھا کہ ان دونوں علاقوں کو ملا دیا جائے۔ لہذا یہ فیصلہ کیا گیا کہ نیا ملک۔ پاکستان۔ دو علاقوں یعنی مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان پر مشتمل ہوگا جب کہ ہندوستان کی سرزمین کا ایک لمبا ٹکڑا اسے ایک دوسرے سے علاحدہ رکھے گا۔ دوسرے یہ کہ تمام مسلم اکثریت کے علاقے پاکستان میں شامل نہیں ہونا چاہتے تھے۔ خان عبدالغفار خاں جو شمال مغربی سرحدی صوبہ کے سب سے بڑے غیر متنازع رہنما تھے اور ”سرحدی گاندھی“ کے لقب سے مشہور تھے، دو قومی نظریے کے سخت مخالف تھے۔ رفتہ رفتہ ان کی آواز کو دبا دیا گیا اور صوبہ سرحد پاکستان میں شامل کر دیا گیا۔

تیسری مشکل یہ تھی کہ برطانوی ہند کے دو مسلم اکثریت کے صوبے یعنی پنجاب اور بنگال کے کچھ بڑے علاقے ایسے بھی تھے جہاں غیر مسلم اکثریت میں تھے۔ تو پھر یہ طے پایا کہ مذہبی اکثریت کے اصول کے تحت دونوں صوبوں میں ضلعی سطح پر بھی کاٹ چھانٹ ہوگی اور بوقت ضرورت اس سے بھی خلی سطح پر۔ لیکن یہ فیصلہ 14 اور 15 اگست کی درمیانی شب تک نہیں لیا جاسکا تھا۔ یعنی اس کا مطلب تھا کہ آزادی کے دن بہت سے لوگوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ ہندوستانی ہیں یا پاکستانی۔ ان دو صوبوں کا بٹوارہ تقسیم کا سب سے اذیت ناک پہلو ہے۔



اوہ! اب میں سمجھا! جو پہلے ”مشرقی“ بنگال تھا اب بنگلہ دیش بن چکا ہے۔ اسی لیے ہم اپنے بنگال کو ”مغربی بنگال“ کہتے ہیں۔

اس مسئلے کی چوتھی اور بڑا رے کی سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ یہ سرحد کے دونوں طرف کی اقلیتوں کا مسئلہ تھا۔ لاکھوں ہندو اور سکھ ان علاقوں میں، جو اب پاکستان ہے، میں تھے، اور اتنی ہی تعداد میں ہندوستانی پنجاب اور بنگال میں مسلمان (اور کچھ حد تک دہلی اور اس کے اطراف میں) خود کو پھنسا ہوا محسوس کرتے تھے۔ انھیں پتہ چلا کہ وہ اپنے ہی گھر میں اور اپنی ہی سرزمین پر جہاں وہ اور ان کے اجداد صدیوں سے رہتے آ رہے تھے ناپسندیدہ اجنبی بن گئے ہیں۔ جیسے ہی یہ پتہ چلا کہ ملک کا بٹوارہ ہونے والا ہے دونوں جانب کی اقلیتیں حملہ کے لیے آسان نشانہ بن گئیں۔ کسی نے بھی اس مسئلہ کی سنگینی کا اندازہ نہیں لگایا تھا اور نہ ہی کسی نے اس مسئلہ کا کوئی حل سوچا تھا۔ شروع میں عوام اور سیاسی رہنماؤں نے یہ سوچا کہ یہ تشدد عارضی ہے اور اس پر جلد ہی قابو پالیا جائے گا۔ لیکن بہت جلد تشدد قابو سے باہر ہو گیا۔ دونوں طرف کی اقلیتوں کو سوائے گھر چھوڑنے کے اور کوئی چارہ نہیں تھا، وہ بھی اکثر چند گھنٹوں کی مہلت میں۔

تقسیم کے نتائج

1947 وہ سال تھا جس میں انسانی تاریخ کا سب سے بڑا، سب سے زیادہ اچانک، غیر منظم اور الم ناک انتقال آبادی کا واقعہ ہوا۔ سرحد کے دونوں جانب قتل و غارت گری اور ظلم ہوا۔ مذہب کے نام پر ایک فرقے نے دوسرے فرقہ کے لوگوں کو قتل کیا یا جسم کے اعضا کاٹ ڈالے۔ لاہور، امرتسر اور کوکنا جیسے شہر فرقہ وارانہ علاقوں (Communal Zones) میں بٹ گئے تھے۔ ایک مسلمان ان علاقوں میں جانے سے پرہیز کرتا تھا جہاں ہندو اور سکھ رہتے تھے۔ اسی طرح مسلم اکثریت کے علاقوں میں ہندو اور سکھ جانے سے پرہیز کرتے تھے۔



1947 میں پناہ گزینوں سے بھری ایک ریل گاڑی

میزبانی میں تاخیر

سعادت حسن منٹو

فسادیوں نے چلتی گاڑی کو روک لیا اور غیر مذہب کے لوگوں کو کھینچ کھینچ کر نکالا اور تلواروں اور گولیوں سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ باقی مسافروں کو حلوہ، پھل اور دودھ دیا گیا۔

منتظمین کے سربراہ نے کہا ”بھنو اور بھائیو! ٹرین کے آنے کی خبر دیر میں ملی، اسی وجہ سے ہم آپ کا استقبال پر جوش طور پر نہ کر سکے، جیسا کہ آپ ہم چاہتے تھے۔“

ماخذ: سعادت حسن منٹو کی اردو کہانی ”کسر نفسی“ سے ماخوذ

اپنا گھر بار چھوڑنے اور سرحد کے پار جانے پر مجبور لوگ بے پناہ تکالیف سے گزرے۔ دونوں جانب اقلیتوں کے لوگ اپنا گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے اور اکثر عارضی پناہ گزین کیمپوں میں رہے۔ لیکن اپنی ہی سرزمین میں ان کیمپوں میں اکثر ان کا سابقہ نامہربان انتظامیہ اور پولیس سے پڑا۔ سرحد پار کرنے کے لیے انھوں نے ہر سواری کا استعمال کیا اور اکثر پیدل بھی چلے۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ ہجرت کے اس سفر کے دوران ان پر حملہ کیا گیا اور وہ قتل اور جنسی ظلم و ستم کے شکار ہوئے۔ سرحد کے دونوں جانب ہزاروں عورتوں کو اغوا کیا گیا۔ وہ اغوا کنندگان کا مذہب اختیار کرنے اور ان سے شادی کرنے پر مجبور کی گئیں۔ کئی جگہ ایسا بھی ہوا کہ خاندان والوں نے ’عزت‘ کی

خاطر خود اپنی عورتوں کو قتل کر دیا۔ کتنے ہی بچے اپنے والدین سے بچھڑ گئے اور جو سرحد پار کرنے میں کامیاب ہو گئے، انھیں پتہ چلا کہ ان کا کوئی گھر نہیں ہے۔ ان لاکھوں مہاجرین کے لیے ملک کی آزادی کا مطلب پناہ گزین کیمپوں میں مہینوں اور کبھی کبھی سالوں تک کا قیام تھا۔

ہندوستان اور پاکستان کے ادیب، شاعر اور فلم پروڈیوسروں نے اس بے رحم قتل و غارت گری اور خانماں

بربادی کے مصائب کو اپنے ناولوں، افسانوں، نظموں اور فلموں میں بیان کیا۔ تقسیم کو بیان کرتے وقت انھوں نے بھی وہی اصطلاح استعمال کی جو بٹوارے کے بعد زندہ رہنے والوں نے استعمال کی تھی یعنی—دلوں کی تقسیم۔

یہ بٹوارہ مال و جائداد اور ذمے داریوں کا ہی نہیں تھا اور نہ ہی یہ محض ملک کی زمین اور انتظامی ڈھانچے کی ایک سیاسی تقسیم تھی بلکہ تقسیم ہونے والی چیزوں میں مالی اثاثے، میزیں، کرسیاں، ٹائپ رائٹر، پیپر



1947 میں گاندھی جی نواکھالی (اب بنگلہ دیش) میں

تصویر: نیروموریل میوزیم اینڈ لائبریری

گرم ہوا



آگرہ کے جوتوں کے ایک تاجر، سلیم مرزا اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جن میں انھوں نے زندگی گزاری، بڑھتی ہوئی مشکلوں میں گھرا ہوا پاتے ہیں۔ وہ بٹوارے کے بعد کی ابھرتی ہوئی حقیقتوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ اس کی تجارت میں نقصان ہوتا ہے اور سرحد پار سے آیا ہوا ایک پناہ گزین ان کے آبائی گھر پر قابض ہو جاتا ہے۔ اس کی لڑکی کا انجام بھی المیہ ہوتا ہے۔ لیکن یقین ہے کہ حالات جلد سدھ جائیں گے۔

لیکن اس کے خاندان کے دوسرے اراکین پاکستان ہجرت کر جاتے ہیں۔ سلیم خود پاکستان جانے کی کشش اور ہندوستان میں ٹھہرنے کی تمنا کے درمیان تذبذب میں ہے۔ ایک فیصلہ کن لمحہ اس وقت آتا ہے جب سلیم طلبا کے ایک جلوس کو دیکھتا ہے جو حکومت سے بہتر رویہ اور سلوک کا مطالبہ کر رہا تھا۔ اس کا بیٹا سکندر بھی اس جلوس میں شامل ہے۔ کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ سلیم مرزا نے آخر کار کیا کیا ہوگا؟ اور یہ کہ ان حالات میں آپ کیا کرتے؟

سال: 1973

ہدایت کار: ایم۔ ایس۔ ستھیو

اسکرین پلے: کیفی اعظمی

اداکار: بلراج ساہنی، جلال آغا، فاروق شیخ، گیتنا سدھارتھ

پاکستان

کتابیں اور پولیس بینڈ کے موسیقی کے آلات تک شامل تھے۔ ریلوے اور سرکاری حکام بھی تقسیم کیے گئے لیکن سب سے بڑی بات ان دو فرقوں کی پرتشدد عداوت تھی جو اب تک پڑوسیوں کی طرح رہ رہے تھے۔ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ بٹوارے کی وجہ سے تقریباً 80 لاکھ لوگوں کو سرحد پار کرنی پڑی۔ بٹوارے سے متعلق تشدد میں پانچ سے دس لاکھ تک لوگ مارے گئے۔

انتظامی اور مالی دباؤ اور اندیشوں کے علاوہ بٹوارے نے ایک اور بڑا مسئلہ پیدا کیا۔ ہندوستان کی قومی جدوجہد کے رہنما دو قومی نظریے پر یقین نہیں رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود مذہبی بنیاد پر بٹوارہ ہوا۔ کیا اس کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستان خود بخود ایک ہندو ریاست بن گیا؟ پاکستان کی جانب ایک کثیر مسلم آبادی کی ہجرت کے باوجود 1951 میں ہندوستانی مسلمان ملک کی آبادی کا 12 فی صد حصہ تھے۔ تو پھر ہندوستان کی حکومت کا اپنے مسلمان شہریوں اور دوسری مذہبی اقلیتوں کے ساتھ کیا رویہ ہونا چاہیے (یعنی سکھ، عیسائی، جین، بودھ، پارسی اور یہودی)؟ بٹوارے نے دونوں فرقوں کے درمیان سنگین اختلافات پیدا کر دیئے تھے۔

ان اختلافات کے پس پردہ سیاسی مفادات کی مقابلہ آرائی تھی۔ برطانوی ہندوستان میں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے مسلم لیگ کی تشکیل ہوئی۔ ایک علاحدہ مسلم ریاست کے مطالبہ میں یہ پیش پیش تھی۔ اسی طرح سے کچھ جماعتیں ہندوؤں کو منظم کر رہی تھیں تاکہ ہندوستان کو ایک ہندو قومی ریاست میں تبدیل کیا جاسکے۔ لیکن قومی تحریک کے رہنماؤں کو یقین یہ تھا کہ ہندوستان میں تمام مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے اور ایک خاص مذہب کے ماننے والوں کو دوسرے مذاہب کے ماننے والوں پر فوقیت نہیں دی جانی چاہیے۔ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام شہریوں کا درجہ برابر کا ہے۔ مذہبی ہونا شہریت کا امتحان نہیں ہوگا۔ اس طرح ان رہنماؤں نے ایک سیکولر قوم کا خواب دیکھا تھا اور ان کا آئیڈیل ہندوستان کے دستور میں موجود ہے۔

مہاتما گاندھی کی قربانی

15 اگست 1947 کو مہاتما گاندھی نے یوم آزادی کی کسی تقریب میں شرکت نہیں کی۔ وہ کوکاتا میں ان علاقوں کا دورہ کر رہے تھے جہاں بھیاںک ہندو مسلم فساد ہوئے تھے۔ انھیں فرقہ وارانہ تشدد کو دیکھ کر بہت دکھ ہوا تھا۔ وہ اس لیے بھی بہت مایوس تھے کہ انہما (عدم تشدد) اور سستی گرہ (سرگرم غیر متشدد مزاحمت) کے وہ اصول جن کے لیے انھوں نے زندگی بھر کام کیا تھا، آزمائش کے دنوں میں لوگوں کو ایک ساتھ باندھنے میں ناکام رہے۔ گاندھی جی ہندو اور مسلم کو تشدد ترک کرنے کے لیے مستقل سمجھاتے رہے۔ کوکاتا میں ان کی موجودگی نے حالات کو بہت سدھارا اور آزادی کی آمد کو فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے ساتھ منایا گیا اور گلیوں میں ناچ ہوتا رہا۔ گاندھی جی کی پوجا کی مجلسوں نے کافی تعداد میں لوگوں کو متاثر کیا لیکن یہ بہت تھوڑے وقت کے لیے تھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فرقہ وارانہ فسادات پھر پھوٹ پڑے۔ گاندھی جی کو دوبارہ حالات معمول پر لانے کے لیے بھوک ہڑتال کا سہارا لینا پڑا۔

اگلے مہینے گاندھی جی دہلی چلے گئے جہاں بڑے پیمانے پر ہندو مسلم فساد ہو رہے تھے۔ ان کو زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ مسلمانوں کو اس ملک میں وقار اور برابر کے شہری کی حیثیت سے رہنے کی اجازت دی جائے۔ ان کو ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات کی بھی فکر تھی۔ وہ مالی معاملات میں ہندوستانی حکومت کی وعدہ خلافی سے بھی ناخوش تھے۔ ان سب کو ذہن میں رکھتے ہوئے وہ جنوری 1948 میں بھوک ہڑتال پر چلے گئے جو ان کی آخری بھوک ہڑتال ثابت ہوئی۔ کوکاتا کی طرح دہلی میں بھی ان کی بھوک ہڑتال کا جادوئی اثر ہوا۔ دہلی اور اس کے اطراف میں مسلمان حفاظت سے اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ ہندوستانی حکومت پاکستان کو اس کے مالی واجبات دینے کے لیے راضی ہو گئی۔

گاندھی جی کے اقدامات کو ہر کوئی پسند نہیں کرتا تھا۔ دونوں فرقوں کے انتہا پسندانہ ہی کو اپنی حالت کا ذمے دار سمجھتے تھے۔ وہ ہندو خاص طور سے ان کو ناپسند کرتے تھے جو چاہتے تھے کہ ہندو انتقام لیں یا وہ جو ہندوستان کو ہندوؤں کا ملک بنانا چاہتے بالکل اسی طری جیسے پاکستان مسلمانوں کا ملک تھا۔ انھوں نے گاندھی جی پر الزام لگایا کہ وہ مسلمان اور پاکستان کے مفاد کے لیے کام کر رہے ہیں۔ گاندھی جی کا خیال تھا کہ یہ لوگ بھٹک گئے ہیں۔ انھیں پورا یقین تھا کہ ہندوستان کو ہندو ملک بنانے کی کوئی بھی کوشش اس کو تباہ کر دے گی۔ ان کی ہندو مسلم اتحاد کی مستقل کوششوں سے ہندو انتہا پسندانہ ناراض ہوئے کہ انھوں نے کئی بار گاندھی جی کی جان لینے کی کوشش کی۔ اس کے باوجود انھوں نے مسلح حفاظت لینے سے انکار کر دیا اور اپنی پوجا کی مجلسوں میں ہر ایک سے ملنے رہے۔ آخر کار 30 جنوری 1948 کو ایسا ہی ایک ہندو انتہا پسند تھورام وناٹک گوڈ سے، شام کی عبادت کے دوران گاندھی جی کے قریب آیا اور ان پر تین گولیاں چلا دیں۔ گاندھی جی نے وہیں دم توڑ دیا۔ اس طرح حق، عدم تشدد، انصاف اور برداشت کی زندگی بھر کی جدوجہد کا خاتمہ ہو گیا۔

گاندھی جی کی موت نے ملک کی فرقہ وارانہ حالت کے لیے جادو کا کام کیا۔ بٹوارے سے متعلق غم و غصہ اور تشدد فوراً دب گیا۔ منافرت پھیلانے والی تنظیموں پر حکومت نے شبخہ کسا۔ راشٹر یہ سویم سیوک سنگھ جیسی تنظیمیں کچھ عرصے کے لیے غیر قانونی قرار دے دی گئیں اور لوگوں کے لیے فرقہ وارانہ سیاست میں کوئی کشش نہیں رہی۔

The Gazette of India

EXTRAORDINARY
PUBLISHED BY AUTHORITY

NEW DELHI, WEDNESDAY, FEBRUARY 4, 1948

CHIEF COMMISSIONER'S OFFICE, DELHI
NOTIFICATION.

Delhi, the 4th February, 1948

No. F.2(17)/48-R&J.—Whereas the Provincial Government is of the opinion that every association in the Province known as Rashtriya Swayam Sewak Sangh constitutes a danger to the public peace. Now therefore in exercise of powers conferred by Section 16 of the Criminal Law Amendment Act 1908 (XIV of 1908) the Provincial Government is pleased to declare every such association to be unlawful.

J. P. RAY, Home Secy.



کو کاتیں گاندھی جی کی شہادت کی خبر سننے ہی بھیڑاؤ پڑی

آزادی کے بعد

شوہتار نے یہ محسوس کیا کہ جب کبھی پاکستان کا نام آتا ہے تو اس کے نانا بالکل خاموش ہو جاتے ہیں۔ ایک دن اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس کے بارے میں ان سے ضرور سوال کرے گی۔ اس کے نانا نے اسے بتایا کہ بٹوارے کے دوران وہ کس طرح لاہور سے لدھیانہ پہنچے۔ ان کے والدین مارڈالے گئے تھے۔ بلکہ ان کی جان بھی نہ بچتی، لیکن ان کے ایک پڑوسی خاندان نے جو مسلمان تھا ان کو پناہ دی اور کئی دن تک ان کو اپنے گھر میں چھپائے رکھا۔ اس خاندان نے ان کے کچھ رشتے داروں کو ڈھونڈنے میں مدد کی اور اس طرح انھوں نے سرحد پار کی اور ایک نئی زندگی کی شروعات کی۔

کیا آپ نے بھی ایسی کوئی کہانی سنی ہے؟ اپنے نانا یا دادا یا اس نسل کے اور لوگوں سے ان کی یوم آزادی کی یادوں کے متعلق پوچھیے۔ ان سے ان توقعات کے بارے میں سوال کیجیے جو وہ آزادی سے رکھتے تھے اس کے علاوہ ان تقریبات اور مصائب کے بارے میں پوچھیے جن سے وہ بٹوارہ کی وجہ سے گزرے۔ ایسی کم سے کم دو کہانیوں کے بارے میں لکھیے۔

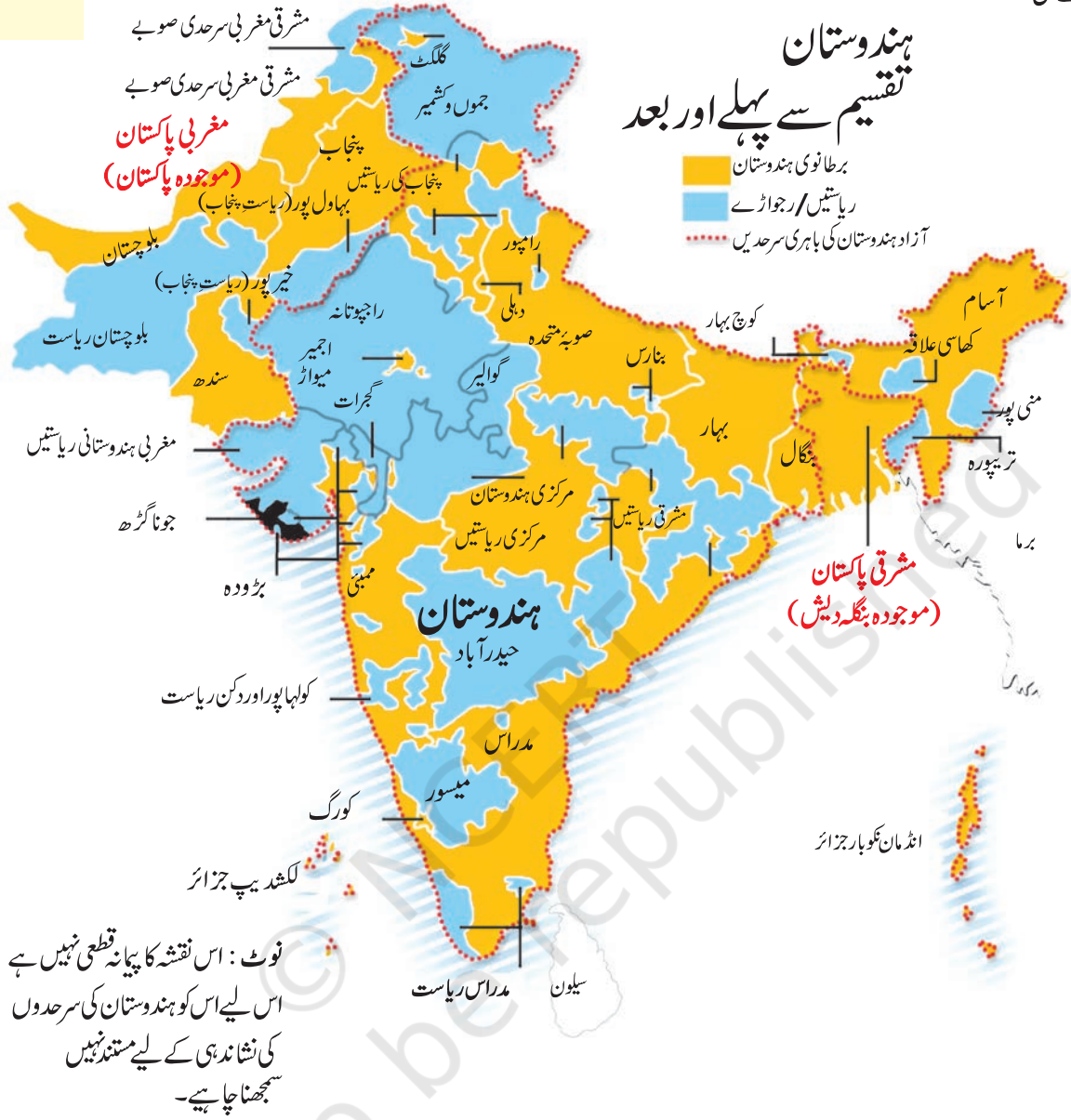
راجاؤں کی ریاستوں کا ادغام

برطانوی ہندوستان دو حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ ایک حصہ تو برطانوی ہند اور دوسرا راجاؤں کی ریاستیں تھیں۔ صوبہ جات براہ راست برطانوی انتظامیہ کے تحت تھے۔ دوسری جانب راجاؤں کی ریاستیں تھیں جو رقبے کے لحاظ سے چھوٹی اور بڑی تھیں جن پر راجہ حکومت کرتے تھے مگر اقتدار اعلیٰ برطانیہ کے ہاتھوں میں تھا۔ اسی کو تاج برطانیہ کی عظمت اور اقتدار کہا جاتا تھا یہ ریاستیں برطانوی ہندوستان کے ایک تہائی رقبے پر چھائی ہوئی تھیں اور ہندوستان کی ایک چوتھائی آبادی ان میں رہتی تھی۔

مسئلہ

آزادی سے کچھ ہی قبل برطانیہ نے یہ اعلان کیا کہ ہندوستان کی آزادی کے ساتھ ہی ریاستوں پر سے بھی ان کا اقتدار ختم ہو جائے گا۔ اس کا مطلب تھا کہ تمام ریاستیں جن کی تعداد 565 تھی قانونی طور سے خود بخود آزاد ہو جائیں گی۔ برطانوی حکومت کی رائے تھی کہ یہ تمام ریاستیں اس معاملے میں آزاد ہیں کہ چاہیں تو وہ ہندوستان کے ساتھ رہیں یا پاکستان کے اور اگر چاہیں تو خود مختار رہیں۔ اس فیصلے کا اختیار عوام کو نہیں بلکہ ریاست کے حکمران کے ہاتھ میں تھا۔ یہ ایک اہم مسئلہ تھا جس سے خود متحدہ ہندوستان کا وجود خطرے میں پڑ گیا تھا۔

یہ شکلیں جلد ہی سامنے آ گئیں۔ سب سے پہلے ٹراونکور کے حکمران نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ دوسرے



لاہور



کیا یہ ہندوستان اور پاکستان
کے بٹوارے کو ختم نہیں کر سکتے جیسا
کہ جرنی میں کیا گیا ہے۔ میری
آرزو ہے کہ میں ناشتہ امرتسر میں
کروں اور کھانا لاہور میں کھاؤں!

کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ اب ہم
آزاد قوموں کی حیثیت سے
ایک دوسرے کے ساتھ عزت و
احترام کے ساتھ جی رہے ہیں؟



آزادی کے بعد ہندوستان کی سیاست

دن حیدرآباد کے نظام نے بھی ایسا ہی ایک اعلان جاری کیا۔ نواب بھوپال جیسے حکمران بھی دستوری اسمبلی میں جانے سے احتراز کر رہے تھے۔ ریاستوں کے حکمرانوں کے رد عمل سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ممکن ہے کہ آزادی کے بعد ہندوستان مزید چھوٹے چھوٹے ملکوں میں بٹ جائے۔ ان ملکوں کے عوام کے لیے جمہوریت کے امکانات بھی روشن نظر نہیں آتے تھے۔ یہ صورت حال بڑی عجیب لگتی تھی کیوں کہ ہندوستان کی آزادی کا مطلب اتحاد، آزادی رائے اور جمہوریت تھا۔ ان میں سے اکثر ریاستوں میں حکومت غیر جمہوری طرز پر چلائی جاتی تھی اور حکمران عوام کو ان کے جمہوری حقوق دینا ناپسند کرتے تھے۔

حکومت کے اقدام

ہندوستان کی عارضی حکومت نے ملک کو چھوٹی بڑی ریاستوں میں تقسیم ہونے کے خلاف سخت اقدامات کیے۔ مسلم لیگ نے کانگریس کے نقطہ نظر کی مخالفت کی اور کہا کہ ریاستوں کو اپنی مرضی کا راستہ چننے کا اختیار ہونا چاہیے۔ آزادی کے بعد کے نازک دور میں سردار پٹیل ہندوستان کے نائب وزیر اعظم اور وزیر داخلہ تھے۔ انھوں نے ریاست کے حکمرانوں سے گفت و شنید میں ایک اہم تاریخی کردار ادا کیا اور مستقل مزاجی اور حکمت عملی سے کام لے کر زیادہ تر ریاستوں کو انڈین یونین میں شامل کروایا۔ اب یہ سب کچھ آسان سا لگتا ہے لیکن درحقیقت یہ ایک بہت پیچیدہ کام تھا جس میں سفارتی مہارت کی اشد ضرورت تھی۔ مثال کے طور پر اڑیسہ میں 26 چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ گجرات کے سوراٹر علاقے میں 14 بڑی ریاستیں اور 119 چھوٹی ریاستیں تھیں اور کئی مختلف انتظامی ڈھانچے تھے۔

حکومت کے نظریے کی رہنمائی تین نکاتوں نے کی۔ سب سے پہلے تو یہ کہ زیادہ تر ریاستوں کے عوام انڈین یونین میں شامل ہونا چاہتے تھے۔ دوسرے یہ کہ حکومت کچھ علاقوں کی خود مختاری میں تھوڑی پلک دینے کے لیے تیار تھی۔ تیسرے یہ کہ آزادی اور تقسیم کے پس منظر میں قومی سرحدوں کی نشان دہی ایک مرکزی اور اہم مسئلہ بن گیا تھا۔

15 اگست 1947 سے پہلے کم و بیش وہ تمام ریاستیں جن کی سرحدیں ہندوستان سے ملتی تھیں پُر امن گفت و شنید کے ذریعے انڈین یونین کا حصہ بن چکی تھیں۔ ان میں زیادہ تر حکمرانوں نے ایک معاہدے پر دستخط کیے جس کو الحاق کی دستاویز (Instrument of accession) کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے کہ ان کی ریاست انڈین یونین کا حصہ بننے کے لیے رضا مند ہے۔ جونا گڑھ، حیدرآباد، کشمیر اور منی پور کا الحاق خاصا مشکل ثابت ہوا۔ جونا گڑھ کا مسئلہ اس طرح حل ہوا کہ عوام کی رائے شماری نے یہ طے کر دیا کہ وہ انڈین یونین میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ کشمیر کے متعلق آپ آٹھویں باب میں پڑھیں گے۔ یہاں ہم منی پور اور حیدرآباد کے معاملے پر نظر ڈالتے ہیں۔

”

ہم ہندوستانی تاریخ کے ایک فیصلہ کن موڑ پر کھڑے ہیں۔ مشترکہ کوششوں سے ہم ملک کو نئی بلندیوں تک لے جاسکتے ہیں۔ لیکن اتحاد کا فقدان ہمیں غیر متوقع مصائب کے سامنے لا کر کھڑا کر دے گا۔ مجھے امید ہے کہ ہندوستانی ریاستیں اس حقیقت کو محسوس کریں گی کہ اگر ہم مفاد عامہ کے لیے تعاون نہیں کریں گے اور مل جل کر کام نہیں کریں گے تو لاقانونیت اور انتشار چھوٹے اور بڑے سب کو اپنے گھیرے میں لے لے گا اور یہ عمل ہمیں مکمل تباہی کی طرف لے جائے گا۔۔۔۔

“

سردار پٹیل

ریاست کے حکمرانوں کو

خط، 1947-

مقامی اور بین الاقوامی سطح پر، مسٹر علی محمد خان نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کیے۔ ان کی خدمات کی وجہ سے ان کو 1950ء اور 1975ء کے درمیان میں کئی بار حکومت پاکستان کی طرف سے تمغہ امتیاز اور دیگر اعزازات سے نوازا گیا۔

[illegible]

۱۔ اہل حق اور ان کی تہذیب، تہذیبِ حق اور تہذیبِ حق

[illegible]

حرف

ہوئے کہ لہذا، انہیں متہمت ہے کہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ریاستوں کی تشکیل نو

قومی تعمیر کا سلسلہ بٹوارہ اور نوابی ریاستوں کے ہندوستان میں مل جانے کے ساتھ ختم نہیں ہو گیا۔ اب ہندوستان کی اندرونی ریاستوں کی حد بندی کا چیلنج سامنے تھا۔ یہ صرف نظم و نسق کی تقسیم کا معاملہ نہیں تھا۔ ریاستوں کی حدود اس اعتبار سے متعین کرنی تھیں کہ ملک کے لسانی اور ثقافتی تنوع کا اظہار بھی ہو اور ساتھ ہی قوم کی وحدت کو بھی کوئی خطرہ نہ ہو۔

برطانیہ کے زمانے میں ریاستوں کی سرحدیں یا تو انتظامی سہولتوں کی بنیاد پر بنائی گئی تھیں یا پھر برطانوی حکومت جوں جوں آگے بڑھتی گئی، سرحدیں ترتیب دیتی رہی یا پھر رجواڑے ریاستوں کی حدیں تھیں۔

ہماری قومی تحریک نے ان حد بندیوں کو مصنوعی قرار دے کر خارج کر دیا تھا اور لسانی اصول پر ریاستوں کی نئی تشکیل کا وعدہ کیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کانگریس کے 1920 کے ناگپور سیشن کے بعد ہی یہ اصول اپنایا گیا تھا۔ اسی لیے کانگریس پارٹی کی اپنی تنظیم نو اسی بنیاد پر ہونے لگی۔ لسانی علاقوں میں کئی صوبائی کانگریس کمیٹیاں قائم کی گئیں جو برطانوی ہند کے انتظامی ڈھانچے کے مطابق نہیں تھیں۔

”اگر لسانی صوبے بنائے جاتے ہیں تو اس کی علاقائی زبانیں بھی ابھریں گی۔ تمام علاقوں میں ہندوستانی، کو ذریعہٴ ابلاغ بنانا ایک فضول بات ہو گی لیکن اس سے بھی فضول بات یہ ہو گی کہ انگریزی کو اس مقصد کے لیے اپنایا جائے۔“

مہاتما گاندھی

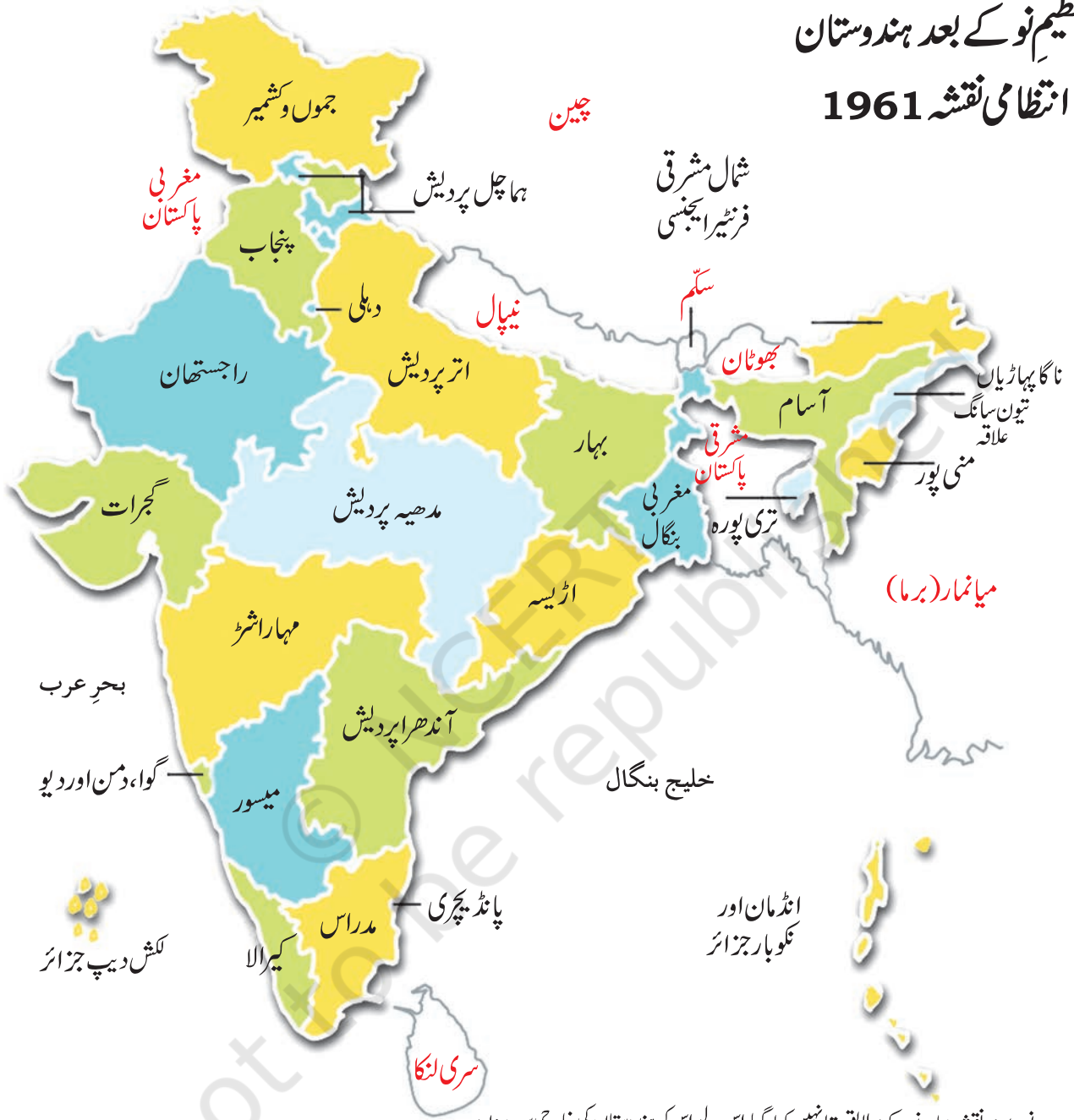
جنوری 1948

آزادی اور بٹوارے کے بعد حالات بدل گئے۔ ہمارے رہنماؤں نے محسوس کیا کہ لسانی بنیاد پر ریاستوں کی تشکیل انتشار اور اختلاف کا سبب ہوگی۔ یہ بھی محسوس کیا گیا کہ اس طرح دوسرے اہم معاشی اور سماجی مسائل سے، جن کا ملک کو سامنا ہے، توجہ ہٹ جائے گی۔ مرکزی حکومت نے اس معاملے کو ملتوی کرنے کا فیصلہ کیا۔ ملتوی کرنے کی ضرورت اس لیے بھی تھی کہ ابھی راجاؤں کی ریاستوں کے بارے میں آخری فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ اس کے علاوہ بٹوارہ کی یادیں ابھی تازہ تھیں۔

مرکزی قیادت کے اس فیصلے کو مقامی رہنماؤں اور عوام نے چیلنج کیا۔ پرانے صوبہ مدراس اس کے تیلگو بولنے والے حصہ میں جس میں جو آج کے تامل ناڈو، آندھرا پردیش، کیرالہ اور کرناٹک کا بھی کچھ علاقہ شامل تھا، احتجاج شروع ہو گیا۔ ویشال آندھرا تحریک (جو کہ آندھرا کی علاحدگی پسند تحریک کا نام تھا) کا مطالبہ تھا کہ تیلگو بولنے والے علاقے کو مدراس صوبہ سے علاحدہ کیا جائے اور ایک الگ آندھرا صوبہ بنایا جائے۔ تقریباً تمام سیاسی قوتیں اس وقت مدراس کی لسانی بنیادوں پر تقسیم کے حق میں تھیں۔

مرکزی حکومت کے پس و پیش نے اس تحریک کو اور ہوا دی۔ مشہور گاندھی نواز اور کانگریس لیڈر پوٹی سری رامولو غیر معینہ مدت کی ہجرت پر چلے گئے اور 56 دنوں کے بعد ان کی موت ہو گئی۔ اس نے بے چینی کی فضا پیدا کر دی اور انجام کار آندھرا کے علاقے میں تشدد پھوٹ پڑا اور کثیر تعداد میں عوام سڑکوں پر اتر آئے۔ پولیس کی گولی باری سے بہت سے لوگ زخمی ہوئے اور بہتوں نے اپنی جانیں گنوانیں۔ مدراس میں اسمبلی کے کئی ممبروں نے احتجاجاً استعفیٰ دے دیا۔ آخر کار دسمبر 1952 میں وزیراعظم نے ایک علاحدہ آندھرا ریاست کے قیام کا اعلان کیا۔

تنظیم نو کے بعد ہندوستان انتظامی نقشہ 1961



نوٹ: یہ نقشہ پیمانے کے مطابق تیار نہیں کیا گیا اس لیے اس کو ہندوستان کی خارجی سرحدوں کی نشان دہی کے لیے مستند نہیں سمجھنا چاہیے۔

نقشے کا مطالعہ کرنے کے بعد درج ذیل سوالات کا جواب دیجیے:

1۔ اس اصل ریاست کا نام بتائیے جس سے مندرجہ ذیل ریاستیں بنائی گئی ہیں۔

گجرات

ہریانہ

میکھالیہ

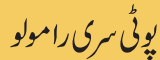
چھتیس گڑھ

2۔ ان دوریاستوں کے نام بتائیے جو ملک کے ہٹارے سے متاثر ہوئی تھیں۔

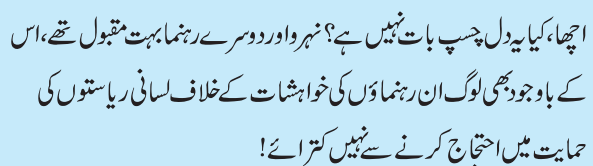
3۔ آج کی ان دوریاستوں کے نام بتائیے جو کبھی مرکزی اختیار میں تھیں۔



SHANKA



آندھرا پردیش کے قیام نے ملک کے دوسرے حصوں میں لسانی بنیاد پر ریاستوں کے قیام کی جدوجہد کو اور تیز کر دیا۔ ان تحریکوں کی وجہ سے مرکزی حکومت نے 1953 میں ریاستوں کی تنظیم نو کے لیے کمیشن قائم کر دیا جس کا مقصد اس مسئلے پر غور کرنا تھا۔ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ ریاستوں کی سرحدیں زبان کی سرحدوں سے ہم آہنگ ہونی چاہئیں۔ اس رپورٹ کی بنیاد پر 1956 میں ریاستوں کی اسز نو تنظیم کا ایکٹ پاس ہوا اور 14 ریاستوں اور 6 یونین عمل دار یوں کا قیام ہوا۔

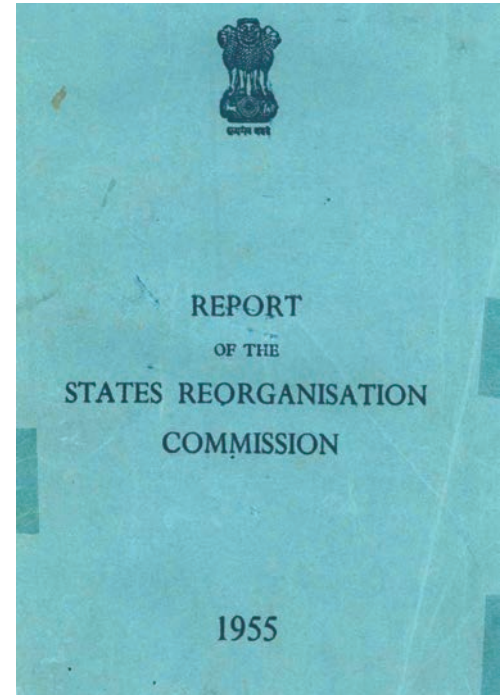




”جن کو بوتل میں دوبارہ بند کرنا“ (5 فروری 1956) سوال کیا کہ کیا ریاستی تنظیم نو کمیشن لسانی جن کو قابو میں رکھ سکتا ہے

شروع کے سالوں میں ایک اہم اندیشہ یہ تھا کہ علاحدہ ریاستوں کے مطالبوں کی وجہ سے ملک کے اتحاد کو خطرہ درپیش ہو سکتا ہے اور یہ کہ لسانی ریاستیں علاحدگی پسندی کے رجحانات کو ہوا دیں گی اور نوزائیدہ قوم پر دباؤ پڑے گا۔ یہ امید کی گئی کہ اگر تمام علاقوں کے لسانی اور علاقائی مطالبات منظور کر لیے جائیں تو انتشار اور علاحدگی کے خطرے کم ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ علاقائی مطالبات کی منظوری اور لسانی ریاستوں کا قیام زیادہ جمہوری نظر آتا تھا۔

لسانی بنیاد پر ریاستوں کے قیام کو اب پچاس برس گزر چکے ہیں۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ لسانی ریاستوں اور ان کی تخلیق کے لیے چلائی گئی تحریکوں نے جمہوری سیاست اور قیادت کی نوعیت کو بنیادی طور سے بدل دیا۔ انگریزی بولنے والے چند منتخب لوگوں کے علاوہ سیاست اور طاقت کے راستے عوام کے لیے بھی صاف ہو گئے۔ لسانی تنظیم نو کی وجہ سے ریاستوں کی حد بندی کا ایک واحد معیار قائم ہو گیا۔ جیسا کہ کئی لوگوں کو اندیشہ تھا لسانی ریاستوں کے قیام سے ملک منتشر نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس اس نے قومی اتحاد کو مضبوط بنایا۔



سب سے بڑی بات یہ ہے کہ لسانی ریاستوں نے اختلاف اور تنوع کے اصول کو نمایاں کیا۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان نے جمہوریت کو اپنایا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہندوستان نے محض ایک جمہوری دستور کو قبول کیا ہے، نہ ہی اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ ہندوستان نے الیکشن کا طریقہ کار اختیار کر لیا ہے۔ ہندوستان کے انتخاب کی وسعت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ جمہوریت کو اپنانے کا مطلب ہے اختلاف رائے کے وجود کو ماننا جو کبھی کبھی بہت مخالف بھی ہو سکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں جمہوریت کا مطلب نظریات اور طرز زندگی میں تنوع اور رنگارنگی ہے۔ بعد میں آنے والے زمانے میں زیادہ تر سیاست اسی ڈھانچے کے اندر وقوع پذیر ہوئی۔

تیز رفتار نئی ریاستوں کی تخلیق

تاہم لسانی ریاستوں کے اصول کی منظوری کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تمام ریاستیں فوراً ہی لسانی ریاستیں ہو گئیں۔ ایک تجربہ سمیٹی کی دولسانی ریاست کا بھی تھا جو گجراتی اور مراٹھی بولنے والوں پر مشتمل تھی۔ ایک عوامی احتجاج کے بعد 1960 میں مہاراشٹر اور گجرات کی ریاستیں قائم کی گئیں۔ پنجاب میں بھی دولسانی گروہ تھے۔ پنجابی بولنے والے اور ہندی بولنے والے۔ پنجابی بولنے والوں نے اپنے لیے ایک علاحدہ ریاست کا مطالبہ کیا۔ لیکن یہ مطالبہ 1956 میں دوسری ریاستوں کے ساتھ منظور نہیں ہوا۔ پنجاب کی ریاست دس سال بعد 1966 میں وجود میں آئی جب کہ آج کی ہریانہ اور ہماچل پردیش کو وسیع تر پنجاب سے جدا کیا گیا۔

1972 میں شمال مشرقی حصے میں ریاستوں کی ایک اور بڑی تخلیق ہوئی۔ 1972 میں میگھالیہ کو آسام سے الگ کیا گیا۔ مئی پور اور تری پورہ بھی اسی زمانے میں الگ الگ ریاستیں بنیں۔ 1987 میں میزورم اور اروناچل پردیش ریاستیں وجود میں آئیں۔ ناگالینڈ پہلے ہی 1963 میں ریاست بن چکا تھا۔ بہر حال، ریاستوں کی تخلیق میں زبان ہی واحد بنیادی عنصر نہیں تھا۔ آنے والے سالوں میں کئی ذیلی علاقوں نے علاحدہ ثقافت اور غیر متوازن ترقی کی شکایت کی بنیاد پر علاحدہ ریاست کا مطالبہ کیا۔ ایسی ہی تین ریاستوں چھتیس گڑھ، اتر کھنڈ اور جھارکھنڈ 2000 میں بنائی گئیں۔ ریاستوں کی تنظیم نو کی کہانی ابھی ختم نہیں ہوتی۔ ملک میں ایسے کئی علاقے ہیں جہاں علاحدہ اور چھوٹی ریاست کے مطالبے ہو رہے ہیں۔ ان میں آندھرا پردیش میں تلنگانہ، مہاراشٹر میں ودر بھ، اتر پردیش میں ہرت پردیش اور مغربی بنگال میں اس کا شمالی حصہ شامل ہیں۔

امریکہ کی آبادی ہماری آبادی کی ایک چوتھائی ہے لیکن ان کے یہاں 50 ریاستیں ہیں۔ تو پھر ہندوستان میں 100 سے زیادہ ریاستیں کیوں نہیں ہو سکتیں؟



.1

بٹوارے سے متعلق مندرجہ ذیل میں سے کون سا بیان غلط ہے؟

- (a) ہندوستان کا بٹوارہ دو قومی نظریہ کا نتیجہ تھا۔
 (b) مذہبی بنیاد پر دو صوبے پنجاب اور بنگال کی تقسیم ہوئی تھی۔
 (c) مغربی اور مشرقی پاکستان ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے۔
 (d) بٹوارہ کی اسکیم میں انتقال آبادی کا پلان بھی شامل تھا۔

.2

اصولوں اور مثالوں کی جوڑی بنائیے:

- (a) مذہبی بنیاد پر سرحدوں کی نقشہ بندی
 (b) لسانی بنیاد پر حد بندی
 (c) کسی ملک میں جغرافیائی علاقوں کے تحت سرحدوں کی نشان دہی
 (d) کسی ملک میں انتظامی اور سیاسی بنیاد پر سرحدوں کی نشان دہی
- (i) پاکستان اور بنگلہ دیش
 (ii) ہندوستان اور پاکستان
 (iii) جھارکھنڈ اور چھتیس گڑھ
 (iv) ہماچل پردیش اور اترکھنڈ

.3

ہندوستان کا ایک موجودہ نقشہ (ریاستوں کے خاکوں کے ساتھ) لیجیے اور مندرجہ ذیل نوابی ریاستوں کو دکھائیے:

- (a) جونا گڑھ
 (b) منی پور
 (c) میسور
 (d) گوالیار

.4

یہاں دو خیالات ظاہر کیے گئے ہیں۔

بسمے: ”نوابی ریاستوں کا ہندوستان کے ساتھ الحاق دراصل ان کے عوام کی جانب جمہوریت کا بڑھتا ہوا قدم تھا۔“

اندر پریت ”مجھے اس سے اتفاق نہیں۔ وہاں طاقت کا استعمال کیا گیا تھا جمہوریت تو اتفاق رائے سے آتی ہے“

نوابی ریاستوں کے الحاق اور ان علاقوں کے عوام کے رد عمل کی روشنی میں آپ کا اپنا کیا خیال ہے؟

.5

اگست 1947 میں دیئے گئے دو بالکل مختلف انداز کے مندرجہ ذیل بیان پڑھیے۔

”آج آپ نے اپنے سروں پر کانتوں کا تاج پہنا ہے۔ اقتدار کی کرسی بڑی غلیظ اور پریشان کن چیز ہے۔ اس کرسی پر ہمیشہ آنکھیں کھلی رکھنی ہوں گی۔ آپ کو زیادہ فکر مند اور صابر ہونا پڑے گا..... اب آپ کی آزمائشیں کبھی ختم نہ ہوں گی۔“ ایم۔ کے۔ گاندھی

”..... ہندوستان ایک آزادی کی زندگی میں آنکھیں کھولے گا..... ہم اب قدیم سے جدید کی جانب قدم بڑھا رہے ہیں۔ آج ہم بدقسمتی کے ایک عہد کا خاتمہ کرتے ہیں۔ ہندوستان اپنے آپ کو ایک بار پھر تلاش کرتا ہے۔ جس حصولیابی کا جشن ہم آج منا رہے ہیں وہ صرف ایک قدم ہے۔ ایک موقعہ کی آمد ہے.....“ جواہر لعل نہرو

اوپر کے دو بیانونوں سے قومی تعمیر کا جوائنڈا سامنے آتا ہے اس کو تحریر کیجیے اور بتائیے کہ آپ کے لیے کس میں زیادہ کشش ہے اور کیوں؟

6- نہرو نے ہندوستان کو سیکولر رکھنے کے لیے کیا اسباب یا وجوہات بیان کیے تھے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ دلائل صرف اخلاقی اور جذباتی تھے؟ یا اس کے پیچھے کچھ دانش مندانہ وجوہات بھی تھیں؟

7- آزادی کے وقت ملک کے مغربی اور مشرقی علاقوں کے درمیان قومی تعمیر کے حوالے سے دو خاص فرق واضح کیجیے۔

8- ریاستوں کی تنظیم نو کمیشن کا کیا کام تھا اور اس کی خاص سفارشیں کیا تھیں؟

9- یہ کہا جاتا ہے کہ دراصل قوم بڑی حد تک ایک ”خیالی برادری“ ہوتی ہے جو مشترکہ عقائد، تاریخ، سیاسی حوصلوں اور امنگوں کی ڈور سے بندھی ہوتی ہے۔ ان خصوصیات کی نشان دہی کیجیے۔

10- مندرجہ ذیل پیرا گراف کو پڑھیے اور نیچے دیئے گئے سوالوں کا جواب دیجیے۔

”قومی تعمیر کے سلسلے میں صرف سوویت یونین کے تجربہ کا ہندوستان سے موازنہ کیا جاسکتا ہے، وہاں بھی مختلف اقلیتوں، مذہبی اور لسانی فرقوں اور سماجی طبقات کے درمیان ایک اتحاد کے جذبے کی نشوونما کی گئی۔ جغرافیائی اور آبادیاتی طور پر ان کے پیمانے نسبتاً زیادہ وسیع تھے۔ لیکن وہاں ریاست کو جس خام مال سے سابقہ پڑا وہ بھی برابر کا غیر مبارک تھا یعنی ایک قوم جو عقائد کے اختیار سے منتشر اور قرض اور بیماری کے بوجھ سے دیہی ہوئی تھی“ — رام چندر گوبا

(a) اس مصنف کی بیان کی گئی ان باتوں کا شمار کیجیے جو ہندوستان اور سوویت یونین میں مشترک تھیں اور ان میں سے ہر ایک کی ایک ایک مثال ہندوستان سے دیجیے۔

(b) مصنف نے دونوں ملکوں میں پائی جانے والی غیر مشابہ چیزوں کا ذکر نہیں کیا۔ کیا آپ ایسی دو چیزیں بتا سکتے ہیں؟

(c) ماضی پر نظر ڈالتے ہوئے بتائیے کہ ان دونوں تجربوں میں سے کون بہتر رہا اور کیوں؟

آئیے اسے مل کر کریں

• کسی بھی ہندوستانی، پاکستانی یا بنگلہ دیشی مصنف کا کوئی ناول یا افسانہ پڑھیے جس کا موضوع بٹوارہ ہو۔ سرحد کے دونوں طرف کے تجربات میں کیا مشترکہ چیزیں پائی جاتی ہیں؟

• اس باب کے ”آئیے تحقیق کریں“ میں دی گئی تجویز پر مبنی تمام کہانیوں کو جمع کیجیے اور ایک وال پیپر تیار کیجیے جس میں مشترکہ تجربات اجاگر کیے گئے ہوں اور منفرد بے مثال کہانیاں بیان کی گئی ہوں۔